# پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب کا لیکچر جنہیں عالم اسلام کا عظیم سکالر اور صوفی تسلیم کیا جاتا ہے۔

## مقامِ وسیلہ

وسیلہ کیا ہے؟ ملک کے مختلف طبقات کے درمیان جاری بحث کے کینوس کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وسیلہ زیادہ سے زیادہ ایک ڈیپارٹمنٹل حدود میں رکھا گیا ہے اور اس قسم کے سوال تک ایک دوسرے سے الجھا گیا ہے کہ آیا کسی پیر فقیر سے دعا کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ مقام وسیلہ کا یہ مطلب بجا نہیں ہے۔ مابعدالطبیعات کی سطح پر ہم پروردگار عالم کی کسی بات کو اتنا حقیر کیوں جانیں کہ اسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں چھیڑ کر اور اپنی چھوٹی سی حدود عقل میں سیٹ کر کے ان پر رائے زنی کریں۔ ہمیں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ وسیلے کا خالق پروردگار عالم ہے اور اگر وسائل کا خالق وہ ہے تو ہمیں کم از کم اپنے حدود ذہن سے کچھ تو تجاوز کرنا ہوگا۔ مابعدالطبیعات کا کوئی تو ایسا لیول اختیار کرنا ہوگا' جہاں سے ہم کائنات بالا کی اس حکمت عالیہ کو سمجھ سکیں' جس سے ہمیں وسیلہ کی کسی بھی حیثیت کا تعین اور احساس ہو۔

سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ سے ایک سوال پوچھا گیا کہ خدا ظاہر کیوں نہ ہو گیا؟ فرمایا' اگر خدا ظاہر ہو جاتا' تو ایمان جبر ہو جاتا۔ جبکہ نسل انسانی اور اس کے ذہنی معیار کی تخلیق کو علم و عقل سے نوازنا اور اس کو خلیفتہ اللہ فی الارض بنانا پورے آفس کا تقاضا آزمائش تھا لیبلوکم ایکم احسن عملا دیکھنا تھا کہ یہ اپنی عقل و معرفت' جو خدا نے اسے جانچنے' پرکھنے' سوچنے اور سمجھنے کے لیے عطا کی تھی' کس حد تک استعمال میں لاتا ہے۔ اگر اول انسان کی تخلیق کا انداز بھی آپ قرآن حکیم میں دیکھیں' تو خداوند کریم فرماتا ہے کہ ایک دور انسان پر ایسا گزرا' جب وہ کوئی قابل

ذکر شے نہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو دوہرے نطفے سے پیدا کرنا شروع کیا۔ وجہ کیا تھی؟ تا کہ ہم یہ جان سکیں اور اس کو آزما سکیں کہ ہماری دی ہوئی عقل و معرفت اور ہمارے دیئے ہوئے شعور کو یہ کس طرح استعمال کرتا ہے۔ انا ھدینا السبیل اما شاکراً واما کفوراً اتنے بڑے ٹیسٹ کے لیے لازم تھا' بقول سید ا ہجویری کہ خدا غیاب میں چلا جاتا اور جب خدا غیاب میں چلا گیا' تو وسائل کی تخلیق ہوئی۔ اگر خدا غیاب میں نہ جاتا' تو آج تک انسانوں پر براہ راست وحی اور القاء ربانی ہوتا۔ ہر انسان کو جدا جدا ذاتی طور پر ہدایت اور شعور سے آشنا کیا جاتا۔ ہر انسان کو شہد کی مکھی کی طرح وحی کی جاتی۔ جیسے اس نے پہاڑوں کو وحی کی۔

خدا کے ظاہر ہونے کا ایک جبر یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے انکار نہ کر سکتے تے۔ اگر ہم بغیر کسی وسیلہ' کسی درمیانی رابطے یا بغیر کسی شعوری بیلنس کے پروردگار عالم کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کرتے' تو وہ براہ راست ہم پر الہام کرتا۔ القا کرتا اور وحی کرتا۔ اس کے بعد پھر کسی بھی انسان کے پاس نجات کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا۔ شیطان رجیم نے پروردگار کے حضور اللہ کا حکم نہیں مانا اور آدم سے' باوجود اس انتہائی باخبری کے کہ وہ اللہ کے سامنے موجود تھا' خطا سرزد ہوئی۔ اسی طرح اگر سارے انسان کرتے۔ سب انسانوں کی انداز فکر یکساں ہوتی اور وہ باوجود اللہ کو واضح طور پر جاننے اور ماننے کے اس کا انکار کرتے۔ ہم سے گناہ سرزد ہوتے' تو پھر ہم میں سے کسی کی بخشش کا کوئی امکان نہ تھا۔ دراصل وسیلے کی تخلیق انسانوں پر رحمت اور ان کی بخشش کے امکانات پیدا کرنے کے لیے ہوئی۔

وسیلہ بندوں تک موقوف نہیں۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے' جو شے سے گزرتا ہوا بندگانِ خدا تک آتا ہے اور ماحول تک جاتا ہے' جو کائنات میں ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ بین الکائناتی Cosmos میں چاند کی روشنی کا وسیلہ سورج ہے۔ اگر سورج کی روشنی اس کا توسط نہ بنتی' تو چاند ایک اندھی آنکھ کی طرح بھٹکتا ہوا سیارہ ہوتا۔ اسی طرح کائنات میں جہاں جہاں بھی پروردگار عالم نے تخلیق کی۔ تمام تخلیقات کے بنیادی جو جو اسباب تخلیق کئے' ان کے مطابق اس نے ان کے وسائل رکھے۔ اگر خداوند کریم یہ وسائل نہ رکھتا' تو آج کے انسان کے لیے کس درجہ دشواری پیدا ہوتی۔

اللہ نے زمین کو تخلیق کیا اور کہا کہ یہ میرا انکار کرتے ہیں۔ قل انـــاکم لتکفرون

بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له انداد آ ذالک رب العالمین زمین کو ہم نے دودنوں میں تخلیق کیااوراس کے بعد وجعل فیھا رواسی اس میں پہاڑر کھے من فوقھا وبرک فیھا پھراس کو برکت دی اوربرکت کے لیے وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین (پ۲۴'س حم السجدۃ آیت ۹'۱۰) پھرہم نے اس میں وہ وسائل رکھے'جو انسان کوابدیت تک کام آنے والے تھے۔اس زندگی اوراس زمین کی ابتداء اللہ نے ان تمام قوتوں اوروسائل سے کی'جو قیامت تک انسان کوکام آنے والے ہیں۔

اگرہم ایسی بستی میں بھیج دیے جاتے'جہاں ہمارے پاس زندگی گزارنے کا کوئی سبب موجود نہ ہوتا۔ہمارے تمام نوزائیدہ بچے بغیرکسی وسیلے کے بھیج دیے جاتے'توان کا زمین پر کیا حشر ہوتا؟مگراللہ نے کسی بچے کوپیداکرنے سے پہلے اس کے وسائل تخلیق کیے۔اس کونگہداشت کرنے والے ماں باپ دیےاوراس کورزق کے اسباب مہیاکیے۔یہ نوزائیدہ بچے'جوپانچ سات سال تک اپنی زندگی کوکسی نہج پراستوارنہیں کرسکتا'کسی طریقے بھی اپنے آپ کواس قابل نہیں کر سکتاکہ مقامات زندگی سے متصادم حالات زندگی یامعاشرہ سے لڑسکے'اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی کہ اس کی زندگی کے وسائل مہیاکیے۔کیاکسی بچے کوپہلے پتہ ہوتا ہے کہ میرے ماں باپ کون ہیں؟کیااس کواس سکیم کے تحت اپنے کسی سبب کاعلم ہوتا ہے کہ میں کس گھر میں جارہا ہوں؟کس مقام پرجارہاہوں؟کیاانہیں کسی قسم کایہ حق انتخاب ہوتا ہے؟اگرپروردگارعالم ان کے لیے افرادماں باپ یابعض اوقات حکومتی اداروں کی صورت میں وسائل مہیانہ کرے'توکیاخیال ہے'تمام نوزائیدہ بچےاپنے بحرانوں میں الجھ کرزندہ رہ سکتے تھے؟

اللہ تعالیٰ کےصرف اسی غیاب میں جانے کی وجہ سے بحیثیت ایک رحمت کےتخلیق کیے گئے وسائل کابنیادی مقصد یہ تھاکہ انسان کوتوجہ اورتربیت فراہم ہو۔جب انسان کے تعلق کی آزمائش شروع ہوئی اوراللہ نےانسان کوآزماناچاہا'تواس نےانسان کے لیے رحمت کاایک نظام رکھا۔اس میں ایک صفت نسیان رکھ دی ہے۔وہ مشغولات دنیامیں اپنے بنیادی مقصداورترجیح کو بھولتارہتا ہے۔چنانچہ اللہ نےاس کی تعلیم کے لیے بنیادی طورپرایک وسیلہ اختیارکیا۔یہ وسیلہ اگرچہ انسانی تھا'مگریہ مکمل طورپرخداکی نگرانی میں تھا۔انسانوں کی ذہنیت تربیت کے لیے باربار اعادہ تخلیق کےساتھ اوراس وقت سےاس کاآغازہوا'جب یوم میثاق والےدن'جب خدااپنی

مخلوقات کے سامنے تھا' اس نے ان سے پوچھا تھا' الست بربکم؟ کیا تم اپنے رب کو پہچانتے ہو؟ قالو بلی سب نے کہا تھا، ہاں؟ مگر اس ہاں کے بعد انسان زوما الحیات الدنیا الا لھو ولھـــــــب (پ ۲۱' س العنکبوت' آیت ۶۴) لہو و لہب کی مشغولیت' قلیل دنیا میں اتنی ساری مصروفیات اور اشغال' سطحی اور غیر اہم ذمہ داریوں میں گھر گیا کہ اسے وہ پیغام الست بربکم کیسے یاد آ سکتا تھا؟ آج بھی دنیا میں کوئی ایسا بندہ نہیں' جسے یوم میثاق میں خدا کے حضور اپنی حاضری یاد ہو۔ ہماری یادداشت کے تالے اس حقیقت کبریٰ کے لیے نہیں کھلتے' جو ہم نے اقرار خداوند کیا تھا۔ اس صورتحال کا خوبصورت اظہار ایک فارسی شاعرہ نے یوں کیا ہے

بجواب طبل الست تو ز ولاچوں قوس بلا زدم

کہ ہمہ خیمہ زدبہ در دلم چہ پہ غم زخشم و بلا

جب تم نے الست کا طبل بجایا تھا' تو میں نے اپنے دل پر ہاں کی ضرب لگائی تھی' ہاں پروردگار! ہم تجھے جانتے ہیں' ہم تجھے مانتے ہیں۔ ہم سے اب تو کبھی نہیں بھول سکتا۔ مگر اس اقرار کے بعد ہمارے دلوں کے دروازے پر غم و خشو و بلا نے خیمے ڈال دیے۔ ہمیں اس طرح گھیر لیا ہے کہ میں پوری کوشش کرتی رہی کہ تمام دنیا اور مصروفیات دنیا کے باعث کسی طریقے سے اس اقرار وفا' اظہار محبت اور اظہار عبودیت سے گریز حاصل کروں۔

پروردگار کو اس بات کا بہتر علم ہے اور وہ جانتا تھا کہ میں نے یہ بندہ پرفیکٹ پیدا نہیں کیا۔ اس کو میں نے بہت بڑا بنایا۔ وارث تخت الٰہی اور اس کو خلیفۃ اللہ فی الارض کیا۔ یہ جنتوں کا آبادکار ہے' جو میری اربوں' کھربوں' ستاروں کی گلیکسیز پر محیط آئیڈیل یوٹوپیا پر محیط ہے' اس کا وارث ہے۔ مگر بھولنے والا ہے۔

چنانچہ تعلیمی مقاصد کے لیے سب سے پہلے جو وسیلہ یادداشت پیدا کیا گیا' وہ پیغمبر تھے۔ وہ آدم سے لے کر محمدﷺ تک وسیلہ علم' وسیلہ تربیت' وسیلہ اخلاق اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وسیلہ یاد میثاق تھے۔ اسی کے نتیجے میں ایک حیرت انگیز بات ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ پہلا انسان' جس نے اپنی بستیاں آباد کرنے اور اپنے گھر بنانے شروع کیے۔ وہ متمدن انداز میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کی بستیاں Priest Sociities تھیں۔ توجہ طلب بات ہے کہ آخر انسان نے عقل پاتے ہی پریسٹ سوسائٹیاں' استادوں کی اور پیغمبران سوسائٹیاں ہی کیوں تعمیر کیں؟

دراصل انسان کا شعور ایسی معمولی چیز نہیں کہ وہ ایک دن میں سارا اجاگر ہو جاتا۔ شعور کو درجہ کمال تک پہنچتے پہنچتے اتنا عرصہ لگ جاتا ہے کہ اگر درمیان میں اس کی تعمیر رک جائے تو ایک آدمی یا تو Morone (کم عقل) رہ جاتا ہے یا Half Morone غیر تعلیم یافتہ رہ جاتا ہے۔ آخر دنیا میں کتنے وائٹ مین پیدا ہوئے؟ افلاطون اور سقراط سے لے کر آج تک ذرا انسانی ریکارڈ کو دیکھ لیں، کتنے ہیں، جو اپنے ذہن کو مکمل طور پر استعمال کر پائے یا جنہوں نے انسان کو قانون فراست اور عقل و معرفت دی، کتنے تھے؟ شاید آپ ایک سانس میں سو دو سو بندہ گن سکیں۔

چنانچہ اگر وسیلہ کا ادارہ نہ ہوتا، تو آپ کے رسولؐ کیوں دعا مانگتے۔ حدیث رسولؐ صحیین میں ہے کہ اے لوگو! جنت میں ایک مقام ہے، اسے مقام وسیلہ کہتے ہیں۔ میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے عطا ہوگا۔ تم بھی میرے لیے اس کی دعا کیا کرو۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ مقام وسیلہ پہلے پیغمبروں کو کیوں نہیں عطا ہوا؟ اگرچہ وہ بھی وسائل تھے۔ آدم اور نوح بھی وسیلہ خداوند تھے۔ یہ سارے وسائل تھے تو پھر آخر یہ مقام وسیلہ ایک شخص پر کیوں مرتکز ہوا اور کیوں محمدؐ نے یہ آرزو کی کہ جنت میں ایک مقام ہے، جسے مقام وسیلہ کہتے ہیں۔ میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے عطا کیا جائے گا۔

اس کی بڑی سادہ اور صاف سی وضاحت ہے کہ کسی ادارے کی ابتدا بھی ہوتی ہے، اس کا انجام بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت کے آنے سے پہلے بھی بات ہو اور ایک وقت کے جانے کے بعد بھی بات ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص آج آیا ہے، اس سے پہلے اس کی گرفت یا حالات پر اس کی حکومت نہ ہو۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے پہلے جو حالات تھے، ان میں بھی محمدؐ کا مقام وسیلہ تھا اور ان کے بعد بھی جن لوگوں نے سنت رسولؐ کو اپنایا اور جو رسولؐ کی رسالت پر یقین رکھتے تھے، ان پر ان کی گرفت تھی۔ اس لیے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میری امت کے اولیاء بنو اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔

بنو اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح جو امت محمدیہؐ کے افراد ہوں گے، وہ نبوت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نبوت ختم المرسلین کے بعد اب کوئی بھی پیغمبری یا نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ پھر وہ کس سلسلے میں بنو اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور گرامی مرتبتؐ کے بعد جن اہل ایمان، اہل عقل اور اہل شعور نے غرض و غایت پیغمبر سمجھی۔

انہوں نے اپنی زندگیوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو ترجیح اول قرار دیا اور اپنی زندگیاں اس کے لیے صرف کیں۔ ان کے پیغام کو عام کرنے کے لیے وقف کیں۔ وہ یقیناً اپنے لوگوں کے لیے اسی طرح خیر و برکت کا باعث بنتے ہیں' جیسے حضور گرامی مرتبتؐ کی نگاہ عنایت سے اس دور میں ایک سلسلہ معرفت اور مغفرت چل رہا تھا۔ وہ لوگ' جو خدا اور رسولؐ کے لیے اپنی زندگیاں تج دیتے ہیں۔ جو ظاہری اور باطنی زندگی میں درجہ کمال حاصل کرتے ہیں' امت مسلمہ کے لیے اسی فنکشن اور وسیلے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

مگر اس میں ایک شک وشبہ کی بڑی سخت گنجائش رہ جاتی ہے۔ ایک مکتبہ فکر کا خیال ہے کہ انسان کو وسیلے کے بغیر خدا سے مانگنا چاہیے۔ ہم اتفاق کرتے ہیں کہ بغیر مانگنا چاہیے۔ ایک فرد کا اللہ سے اپنا ذاتی تعلق بھی ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہر فرد اللہ سے اپنا ذاتی تعلق قائم رکھ سکتا ہے۔ جب وہ تعلق موجود ہو' تو یقیناً خدا کی یاد اور محبت میں کوئی لمحہ دعا اس کے لبوں پر آتا ہے' تو وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ سارے انسان حسن گمان سے بنے ہیں۔ اس کی اپنے کردار و افعال و مقاصد پر نظر جاتی ہے' تو وہ سمجھتا ہے کہ شاید میں اس عالم تربیت میں نہیں رہا۔ میں نے پیغام کی قدر نہ کی۔ مجھ سے بڑی کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئیں۔ شاید میں شفاعت خداوند حاصل کرنے کا اتنا اہل نہیں ہوں' جتنا شاید میرا وہ بھائی' جس نے اپنی پوری زندگی اللہ کے لیے صرف کی۔ اگر خلوص دل سے میرے لیے دعا کرے' تو میری دعا اللہ ضرور قبول کرے گا۔ حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان بھائی نے غیر حاضری میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کی' وہ ضرور قبول کی جائے گی۔ یہ بھی حدیث رسولؐ ہے کہ اگر کسی نے بتائے بغیر کسی کے لیے دعا کی' تو اللہ ضرور اس مسلمان بھائی کے بارے میں وہ دعا قبول کرتا ہے۔

دعا وسیلے کا ایک ذریعہ ہے۔ ایک آلہ ہے۔ وسیلہ ایک آفس اور ایک ادارہ ہے۔ اس ادارے پر اللہ کی طرف سے اگر کسی کی اجارہ داری ہے' تو وہ صرف ایک انسان کی ہے۔ اس ادارے سے لوگوں کے لیے ہدایت اور بخشش نکلتی ہے۔ یہ شخص اپنی زندگی میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ جنت میں صرف ایک مقام ہے۔ باقی سارے مقامات شیئر ہوتے ہیں' مگر ایک مقام جسے مقام وسیلہ کہتے ہیں' میں اپنے رب سے یہ امید رکھتا ہوں کہ صرف مجھے اس پر متمکن کیا جائے گا۔

یہ وسیلہ اتنا اہم اس لیے ہے کہ یہ ہماری زندگیوں اور ہمارے ماحول سے باہر نکلتا ہوا

تخلیق زمین پر چلا جاتا ہے۔اس سے آگے بڑھتا ہوا بگ بینگ تک چلا جاتا ہے۔ یہ وسیلہ پوری کائنات کی تخلیق پر منتج ہوتا ہے۔ آخر پروردگارِ عالم کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ جب وہ اکیلا اور خوش تھا۔ خود کفیل اور اپنی ذات میں وہ سب کچھ تھا' تو ہمارا یہ حق نہیں بنتا کہ ہم اللہ میاں سے پوچھیں تو نے ہمیں کیوں پھنسوا دیا؟ مگر کسی تخلیق کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق پر اعتراض کرے۔ آج تک کسی تصویر نے مصور پر اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح ہمارا بھی یہ حق نہیں بنتا کہ ہم خدا کو یہ کہیں کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ مگر یہ حق تو بنتا ہے کہ اس سے کہیں کہ آخر ان تخلیقاتِ کل کا کیا مقصد تھا؟ اس کائنات' بگ بینگ' سات آسمانوں اور ان میں الجھی اور پھنسی ہوئی سات زمینوں کو تو نے کس لیے پیدا کیا؟ ایک چھوٹی سی زمین' جس پر ہم متمکن ہیں۔ جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ ان آسمانوں میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے بھرپور گھنے جنگل میں پڑا ہوا ایک حلقہ یا چھلا۔ کس کو نظر آئے گا؟ کیا اتنی بڑی کائنات میں اتنی معمولی سی زمین کی تخلیق کے لیے بگ بینگ ہوا تھا؟ کیا اتنی معمولی زمین کی تخلیق کے لیے سب کچھ بنایا گیا؟

یہ سارے کائناتی وسائل جو اختیار کیے گئے' سات آسمانوں کی تخلیق اور یہ توازن کشش ثقل جو ترتیب دی گئی۔ سورج کو زندگی کا وسیلہ بنایا گیا۔ اسے ایک مخصوص اور مختصر فاصلے پر ٹھہرایا گیا۔ یہ چاند' جو راتوں کو روشن کرتا ہے۔ اس کو مخصوص فاصلہ دیا گیا اور یہ فاصلے انتہائی پیچیدگی سے متوازن کیے گئے کہ اگر سورج ایک لاکھ میل پرے چلا جائے' تو آپ ٹھٹھر کے مر جائیں اور ایک لاکھ میل ادھر ہو جائے تو آپ جل کر خاک ہو جائیں۔ چاند رہے نہ ستارے۔ اتنی ترتیب اور اتنا توازن ذالک تقدیر العزیز العلیم (پ ۷' س الانعام' آیت ۹۶) یہ سب چیزیں اسی بڑی قدرت' حساب اور علم والے پروردگار نے کیوں ترتیب دیں؟ کیا ایک سادہ سی وجہ ہے کہ ہم صرف اس کائنات' جس سے ہم آگاہ ہیں' میں سوچنے والی واحد مخلوق ہیں؟ ہماری خود پسندی تو یہی کہتی ہے۔

چلیں' ہم مغربی خیال کو مان لیتے ہیں۔ ان کے کوانٹم اور اضافیت پر اعتبار کر لیتے ہیں کہ ان کی تحقیقات کے مطابق انہیں کہیں اور کسی دوسری انسانی زندگی کا سراغ نہیں ملا۔ مگر ہم قرآن کی اس بلاغت نظام کو کیا کہیں' جس میں اللہ کہتا ہے ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پ ۱' س البقرۃ' آیت ۲۹) اور اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن

(پ ۲۸' س الطلاق' آیت ۱۲) کہ جیسے میں نے سات آسمان تخلیق کیے ہیں' اسی طرح کی سات زمینیں بھی بنائیں۔ اور یہ نہیں کہ وہ زمینیں برباد' بنجر اور ویران پڑی ہیں' بلکہ تمہاری زمین کی طرح وہ بھی ویسے ہی آباد رہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا' یہ نہیں کہ صرف تمہاری زمین پر پیغمبر اترے ہیں' دوسری زمینوں پر بھی آدم ہیں۔ وہاں بھی نوح اور وہاں بھی شیث ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ ایک ہی ہیں۔ محمد رسول اللہ کا تمام زمینوں پر ایک ہونا کتنا عجیب سا تصور ہے۔ یہ تاریخ ہے' نہ تواردہے۔ یہ دائی بین الکائناتی فاصلوں کا عجیب سا سیلاب ہے۔ کیا آپ ان سسٹمز آف انٹیلی جنس تک پہنچ گئے ہیں' جو اللہ نے تخلیق کیے؟ ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک بڑی عجیب سائنس ایجاد ہوئی کہ موجودہ سائز سے کہیں چھوٹا سا کمپیوٹر تیار ہو گیا ہے۔ یعنی مٹی کا ایک ذرہ' ناقابل تصور حد تک سمارٹ' اور وہ استعمال کے قریب ہے۔ فرض کیجیے' اگر یہاں تھوڑی سی راکھ بکھیر دی جائے' تو وہ Cosmic Intelligence بن جائے گی۔ کہیں مرکزی آفس میں بیٹھا ہوا شخص ہمارا ایک ایک لفظ اور ایک ایک شکل دیکھے گا۔

یعنی اس نہج پر جب انسان کی ترقی چلی گئی ہو' تو اس ذرہ وجود' جسے آپ روح کہتے ہیں' وہ انتہائی ذہانت سے بنائی مائیکرو چپ' جو آپ کے اندر موجود ہے' کی ہدایاتی فلاسفی کی کوئی بنیاد کسی کے پاس تو ہو گی۔ جب پروردگار عالم نے آغاز وانجام میں ایک ہی قرآن کو اتارا تھا' تو صاحب قرآن تو دو نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر ہوا کیا؟ تمام پیغمبروں نے رسول اللہ کو مقام وسیلہ میں مدد فراہم کی۔ جب قیامت کا دن ہو گا' تو بات کھل جائے گی۔ صحیحین کی حدیث ہے۔ شفاعت ودعا ووسیلہ ایک ہی اداراتی پیٹرن ہیں۔ جب شفاعت کا وقت آئے گا' مخلوقات عالم اضطراب میں ہو گی۔ جان لبوں تک آئی ہو گی اور اوپر سے آواز آ رہی ہو گی کہ لمن الملک الیوم اب بتاؤ کون بادشاہ ہے؟ ملک کس کا ہے؟ وللہ الواحد القھار (پ ۲۴' س المومن' آیت ۱۶) میں اکیلا واحد القہار ہوں۔ کس کس کے پیچھے بھاگتے رہے ہو؟ اپنے مقاصد کی تخلیق میں کون کون سے وسائل طلب کرتے رہے ہو؟ وسیلوں کا مالک تو میں تھا۔

سب لوگ بھاگیں گے۔ جان اضطراب کو لے کر حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور عرض گزار ہوں گے کہ یا نبی اللہ! آپ انسان اول ہیں۔ ابوالانسان ہیں۔ آپ ہمارے لیے

شفاعت کی دعا کریں۔ کہیں گے نہیں بھائی! میرا تو یہ مقام نہیں ۔ میں نے تو اپنی زندگی کا آغاز ہی خطا سے کیا تھا۔ میں نہیں کرسکتا۔ ایسا کرو تم حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ۔ اللہ نے انہیں بڑی عمر اور بڑا علم دیا تھا۔ بحیثیت استاد کے انہوں نے بڑی محنت کی تھی۔ وہ خلق و رازق کے مالک تھے۔ ان کے پاس جاؤ۔ پھر یہ سلسلہ طویل ہوتا جائے گا۔ حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ پھر حضرت عیسیٰؑ جملہ تمام انبیاء کہیں گے بھائی یہ سٹیٹس ہمارا نہیں ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ براہ راست دعا کے علاوہ کوئی اور پروسیجر نہیں ہے ذرا قیامت کے دن کے بارے میں غور کریں کہ بڑے بڑے اللہ کے دوست' اللہ کے ولی' کریم اور بڑے بڑے نفیس لوگ وہاں موجود ہوں گے۔ پیغمبروں سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پیغمبر کی زبان شرف سے کلام نکلے اور اللہ اسے قبول نہ کرے؟ ایک چھوٹی سی دعا کے لیے وہاں کتنا بحران پڑ گیا۔ کیا مسئلہ پڑ گیا کہ آدم سے عیسیٰؑ تک سب پیغمبر انکار کرتے ہیں۔ پھر سب مل کر محمد رسول اللہؐ کے پاس جائیں گے تو حضور فرمائیں گے ہاں میرے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے۔ مجھے یہ شفاعت کا حق دیا گیا ہے اور میں تمہارے لیے خدا سے دعا کروں گا۔

یہ تو تھے رسول اللہؐ۔ اس کے علاوہ صحیین میں ایک حدیث ہے کہ میری امت کا ایک شخص قیامت کے روز میری امت کے قبیلہ بنی حذر کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر شفاعت کرے گا اور اصحاب رسولؐ متفق ہیں کہ یہ بات حضرت خواجہ اویس قرنیؒ کے بارے میں ہے۔ یہی پر بات صادق آتی ہے کہ مقام وسائل کا اختیار رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور رحمت سے دیا۔ وسائل کا انچارج رسول اللہ کو بنایا گیا۔ تاہم یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ پروردگار عالم کسی معاملے میں اختیارات شیئر نہیں کرتا۔ وہ اپنے اختیارات میں کسی کو دخل نہیں دینے دیتا۔ یہ کہنا قطعاً ناجائز ہوگا کہ کوئی شخص بھی خدا کی طرح ایکٹ کرسکتا ہے۔ وہ تو موت و حیات کو بھی وسائل گنتا ہے۔ الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عمل (پ ۲۹' س الملک' آیت ۲) موت و حیات ہمارے عمل کا پیٹرن کیسے بن سکتی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ایک زندگی کی عطا و بخشش سے آپ اس امتحان گاہ میں داخل ہوتے ہیں اور موت آپ کو اس امتحان گاہ سے نکالتی ہے۔ اللہ نے یہ دونوں وسائل اس لیے تخلیق کیے کہ ایک آپ کے لیے زندگی کا باعث بنا' تاکہ آپ امتحان کے لیے تیار ہوں اور ایک آپ کے اخراج کا وسیلہ بنا اور دونوں

ذرائع انہی وسائل میں شریک اور شامل ہوئے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان وسائل میں ہمیں کیوں شبہ ہوتا ہے؟ جہاں بھی کوئی مسلمان تھوڑی سی عملیت اور عبادات کی سختی میں گیا اور اس نے خیال کیا کہ میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں' روزے رکھتا ہوں' اللہ تعالیٰ کے احکام ظاہرہ پورے کرتا ہوں' تو میرا استحقاق ہے کہ اللہ میری سنے۔ یقیناً ایسی ایک حدیث بھی موجود ہے کہ جب ایک صحابی رسولؐ کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ کیا کہتے ہیں کہ میں جنت میں کن اسباب سے داخل ہوں گا؟ فرمایا' پانچ وقت کی نماز۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ایک زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ فرمایا' روزے رکھنا۔ کہا' ایک بھی زیادہ رمضان سے زیادہ نہیں رکھوں گا۔ خیرات وصدقات ضرور دوں گا۔ فرمایا' جس نے جنتی کو دیکھنا ہے اسے دیکھو۔

اعمال کی صحت سے تو کسی کو قطعاً انکار نہیں' مگر اعمال کی ذہنی سطح ہمیشہ فرد سے فرد مختلف ہوتی ہے۔ ایک عمل کی نیت کچھ اور دوسرے عمل کی نیت کچھ اور ہو جاتی ہے۔ اسی لیے پروردگار عالم نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ظاہرہ اور باطنی گناہوں سے بھی بچو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی بڑے شخص' جو اللہ کے نزدیک بڑا آدمی ہے' کی توہین کر دیتے ہیں۔ جسے اللہ نے پوری کائنات' پوری زمین اور پورے انسانوں کی فلاں و بہبود کا ذریعہ بنایا' اس کی زجر وتوبیخ کر دیتے ہیں اور اس کے مقام عزت پر حرف لاتے ہیں' تو پروردگار عالم کی ناراضگی کا سبب تو بنے گا۔ اس لیے کہ خدا احسان فراموشی کو سب سے زیادہ بدتر حالت ذہن سمجھتا ہے۔ احسان فراموش خدا کے حضور کوئی جا نہیں پاتا۔

پورا مذہب یہ بتاتا ہے کہ دراصل یہ جو وقفہ حیات ہے' صرف یہی ایک قبر ہے۔ یہ ہمارا Dead Period ہے۔ ایک لامتناہی سلسلہ حیات زمان ومکان کو زمانی اور مکانی حدود دنیا میں قید کیا گیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا الدنیا سجن المومن دنیا مومن کی قید ہے۔ پورے کائناتی دلائل میں جب ہم اس گلیکسی کے نظام وقت کی لاانتہا اور مکاں کی وسعت کو دیکھتے ہیں اور اس کی نسبتی تفہیم پر نظر ڈالتے ہیں' تو ہمیں صرف ایک جگہ اور یہ دنیا جعلی لگتی ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ ہم پوری کائنات کے تمام سلسلے سے کٹ گئے ہیں۔ ہمارے قوانین زندگی کی بقاء کے کائناتی قوانین سے مختلف ہیں۔ یہاں جو قیود لگائی گئی ہیں' وہ یہاں سے خلا میں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہاں کا وزن اوپر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ کسی فرد کے لیے جو اس زمین پر رہ رہا ہے' بہت ہی مشکل ہے کہ وہ اپنے اسی

پیٹرن میں کسی اور دنیا میں چلا جائے۔ بڑا ہی مشکل ہے۔ اس کو اس Part of life سے اس Pattern of life میں جانے کے لیے بے پناہ حفاظتی اقدامات کرنے ہوں گے۔ وسائل اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر تخلیق کیے اور ان کے سبب محمد رسول اللہؐ اور دیگر انبیاء ہیں۔ یہ تمام کی تمام دعا و برکت صرف ایک شخص حکیم ایک بندۂ خدا کو حاصل ہے۔ وہی مقام وسیلہ پر اختیار رکھتا ہے۔ اس سے متعلق بخاری میں حدیث مبارکہ ہے کہ واللہ معطی وانا قاسم اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ شفاعت قیامت کے دن بھی انہی کے توسط سے بٹے گی۔ جملہ وسائل زندگی رسول اللہؐ کی معرفت وحکمت ہے۔

ہم نبی کو صرف اس لیے قبول کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے علم ظاہرہ اور باطنہ سے باہر ہیں، اس کو پیغمبر جانتا ہے۔ اس کی ہمیں تلقین کرتا ہے۔ کوئی بندہ خدا کو نہیں جانتا ہوتا یا معرفت الٰہی نہیں رکھتا۔ زمانے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا پتہ نہیں ہوتا۔ ایک پیغمبر ہی اپنی شہادت باطنیہ، وحی الٰہی اور کئی طریقوں کے ذریعے آپ کو آگاہ کرتا ہے کہ خدا ہے اور میں اس کا نمائندہ ہوں۔ پھر وہ جب اپنے نبی ہونے کا اعلان کرتا ہے تو پھر بنواسرائیل میں ایک ہی وقت میں بہت سارے انبیاء کی موجودگی کے باعث یہ سوال اٹھتا تھا کہ غلط اور صحیح نبی کون ہے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں مسلسل اصلی اور نقلی نبی ہونے کا ٹیسٹ جاری رہتا تھا۔ بخت نصر کے زمانے میں کم ازکم پندرہ نبی موجود تھے۔ بخت نصر کے خواب اور اس کی تعبیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال پر جبرائیل کے ذریعے وحی کی۔ ذرا جبرائیل کو نکال دیجیے پھر دیکھیں۔

یہ سارے کا سارا جھگڑا اس لیے پیدا ہوا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی نبی یا کسی فرد بشر میں داخلی کوالٹی ایسی موجود ہے کہ وہ غائب جانتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ کسی عالم یا پیغمبر نے ایسا دعویٰ کیا کہ ہم میں ساری داخلی انفارمیشن ہے اور ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا۔ آپ کسی بھی بزرگ سے بات کرکے دیکھیں۔ خواہ وہ عبدالقادرؒ ہوں، علی بن عثمان ہجویریؒ، جنید بغدادی یا خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ ہوں۔ ان اولیاءاللہ کو بھی چھوڑیں۔ کسی پیغمبر سے جاکر پوچھیں کہ حضور یہ جو خبر غیب کی آپ کو ملتی ہے، یہ کہاں سے ملتی ہے؟ اور نبی کا مطلب ہے خبر بتانے والا۔ کسی نیوز کاسٹر کو تو میرا خیال ہے، کوئی نبی نہیں مانے گا۔ عربی نیوز سناتے وقت لفظ 'الانباء' آتا ہے۔ اس اعتبار سے تو نیوز کاسٹر کو نبی ہونا چاہیے۔ وہی ہمیں خبر سناتا ہے۔ مگر نبی کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسی خبریں سناتا

ہے' جن پر حاضر کوئی گواہ نہیں ہے۔ وہ ہمیں غیب کی خبر دیتا ہے اور سب سے بڑی غیب کی خبر یہ ہے کہ اللہ ہے۔

بھلا اس سے بڑی غیب کی خبر کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت کل' شہنشاہ پروردگار عالم' جو بصارت میں نہ کسی کے فہم و ادراک میں آ سکتا ہے۔ کسی کے خیال تصور سے ماورا ہے۔ جس کو کسی طریقے سے جانا نہیں جا سکتا۔ ایک بندہ ہمیں شہادت دیتا ہے کہ وہ ہے اور ہم اس پر اعتبار کرتے ہیں کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ کیونکہ اس کی باقی خبریں بھی ٹھیک ہیں۔ وہ صادق ہے۔ اگر یہ صادق اور امین ہمیں یہ کہتا ہے کہ اللہ ہے' تو پھر وہ صحیح کہتا ہے۔

انبیاء کے سٹیٹس کو بڑی احتیاط سے پرکھنا چاہیے۔ یہ بندگان زمین پر احسان کرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ کے یہ وہ بندے ہیں' جو رشد و ہدایت کا منبع اور سراغ ہیں۔ ہم ان سے دعا کے طلبگار نہیں ہوں گے؟ ہمارے پاس اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے' جس میں ہم تھوڑا بہت خدا کی مرضی کا ادراک بھی کر سکیں۔ قرآن براہ راست تعلیم کا واحد منبع ہے اور دوسرے درجے پر حدیث ہے۔ اگر آپ کو قرآن یا اس کے سنانے والے پر اعتبار نہیں ہے' تو قرآن کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ پوری تاریخ علم و عقل میں قرآن کا صرف ایک ثبوت اور وہ قول رسول پاکؐ ہے۔ ایک ہی شخص کی زبان سے جو جملے نکلتے ہیں۔ ایک کو وہ کہتا ہے کہ یہ میری بات ہے اور دوسرے کو کہتا ہے کہ یہ قرآن ہے۔ کسی نے نہ اس وقت جبرئیل امین کو دیکھا نہ آج دیکھا۔ یہ یقین نہ ہو' تو پروفیسر میکڈوگل جیسا شخص پیغمبرؐ کو کہہ سکتا ہے کہ وہ کہاں کا نبی ہے؟ یہی بات اس نے اقبال کو لکھی کہ تو اتنا پڑھا لکھا آدمی ہے' پی ایچ ڈی ہے' تو بھی یہ سمجھتا ہے کہ قرآن اللہ کے لفظ ہیں؟ یہ تجھے کیسے خیال آیا؟

ایک اور بہت بڑا مغالطہ ضمناً آ گیا ہے کہ قرآن کو اللہ کا لفظ نہ سمجھنا۔ اس پورے دین کی اساس کو ختم کرنا ہے۔ آج اگر میں بطور ایک چھوٹے طالب علم خدا پر کوئی دلیل قائم کرتا ہوں' تو وہ صرف اور صرف قرآن کی وجہ سے ہے۔ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہو' تو یہ زبان اور معانی دونوں میں Adjustable ہے۔ جیسے حدیث پر اعتراض وارد ہوتے ہیں' اس پر بھی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ بہت سی باتوں کے بارے میں اس کی ثقاہت قابل اعتراض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک اچھے مسلمان کے طور پر ہمارے عقیدے کا تقاضا ہے کہ قرآن کا ہر لفظ اللہ کا لفظ ہے۔ اس میں ہر بات

اللہ کی بات ہے۔ مگر یہ ثبوت صرف اللہ کے رسول سے مہیا ہوتا ہے۔ حضور اپنی زبانِ معجز سے ہی دو باتیں کہتے ہیں۔ یہ میری حدیث ہے اور یہ قرآن حکیم ہے اور ہم ان پر اعتبار لاتے ہیں۔

اگر ہم نبیؐ کے سٹیٹس کو کمزور سمجھیں۔ ہر نبیؐ کے علم ان کی دانش اور ان کی براہ راست قبولیت پر شک کریں تو ہم رسول اللہؐ کے امتی ہونے کا حق بالکل نہیں رکھتے۔ جو شخص پیغمبر کے علم پر اعتراض کرتا ہے وہ اس پیغمبر کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ نبیؐ کے علم اور شناخت پر شبہ کرنے والا کسی قیمت پر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بہت ساری باتیں ایسی لگتی ہیں جیسے پیغمبر ایک عام آدمی کی طرح Behave کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک پیغمبر ایسے گزرے کہ ان کی زندگی معجزہ تھی۔ پیدائش سے وفات تک پوری کی پوری زندگی معجزانہ تھی۔ وہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔ حتیٰ کہ آج بھی ہمیں بہت سارے متقدر عیسائی علما طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارے پیغمبر نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا جبکہ ہمارا پیغمبر تو بنا ہی کرامات اور معجزات سے ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ گزر رہے تھے۔ دیکھا ایک عورت کو دورہ پڑ گیا ہے۔ اس نے کپڑے پھاڑ دیئے ہیں۔ بائبل میں یہ واقعہ تمام حواریوں سے منقول ہے۔ آپ نے حواریوں یوحنا، متی، مرقس، لوقا سے کہا کہ جو میں نے تم کو آیات دی ہیں جاؤ، وہ آیات اس پر دم کرو تاکہ مریض صحت یاب ہو۔ وہ سارے گئے اور انہوں نے دم کیا مگر وہ مریضہ ٹھیک نہ ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں سے کہا کہ جاؤ، اس پر وہ تمام دم پڑھو جو میں نے تمہیں عطا کئے۔ حواری گئے، مگر کسی دم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ واپس پلٹ کے آئے اور کہا یا نبی اللہ! ہم نے پوری کوشش کی۔ دم بھی وہی ہے، جو آپ نے بتایا ہے اور ہم آپ کے دوستوں اور تابعداروں میں سے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ گئے اور دعا کی۔ لڑکی نے ایک بڑی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔ ساتھ گلے میں سواروں کا ایک بہت بڑا باڑہ تھا۔ ان میں سے ایک سور پر وہ جا کے لگی اور پھڑک کے جھیل میں جا پڑی۔ حواریوں نے سوال کیا کہ اے نبی اللہ! ہم نے بھی وہی کیا، جو آپ نے بتایا تھا۔ ہمارے سے کیوں نہیں ٹھیک ہوئی؟ فرمایا، کسی مرض کے لیے نبی کی دعا چاہیے۔

وسائل کی ترتیب اور ان کے مقامات میں سب سے بڑا المیہ، جس پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں، یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی انسٹی ٹیوشن بڑا کرپٹ ہو جاتا ہے۔ جب میراث رسول اللہؐ لوگوں تک پہنچ گئی۔ انبیاء کے بعد اولیاء اللہ تک یہ مقام وسیلہ پہنچے تو کہا نہیں جا سکتا کہ شاید کچھ لوگ اس

کے حقدار نہ ہوں اور وہ دعوے کر رہے ہوں۔ کچھ لوگ اس ادارے کے وقار کے قابل نہ ہوں اور پھر بھی وہ موجود ہوں اور لوگ ان سے وابستگی اختیار کریں۔ ان کے کردار میں کوئی نہ کوئی ضرور کمی و تشنگی ہوگی، جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں چند ایک مذہبی مسالک بڑی شدت میں پڑ جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ سے گزرتی ہوئی بات، انبیاء اور اولیاء اللہ سے گزرتی کم تر مزاج، دنیا پرست اور وجاہت طلب لوگوں تک آتی ہے، تو ظاہراً بات ہے کہ انسٹی ٹیوشن کرپٹ ہو جاتے ہیں۔ مگر وسیلہ کو کوئی ضرب نہیں پہنچتی۔ اصلیت میں مذہب اور نہ مذہب کے ادارے کرپٹ ہوئے۔ مگر اس وقت، جب لوگوں نے انہیں اپنی اغراض کے لیے استعمال کیا۔

آج کل سب سے زیادہ مصیبت تصوف اور اولیاء اللہ تعالیٰ کے مساکن پر آئی ہوئی ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں، جو عزت و حرمت کے تھے۔ جو لوگوں کی خوشی، بخشش اور کرم کا وسیلہ تھے ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئے اور ان پر ایسا ہی وقت آیا، جس طرح آج سے پہلے بارہویں اور تیرہویں صدی میں عیسائیت پر بھی وقت آیا تھا۔ جب ایسے ایسے اکیڈمک ولی اللہ پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے نجات کے سرٹیفکیٹ بیچے۔ اس زمانے میں چرچ اور کیسا کے مقتدر لوگ نجات کے سرٹیفکیٹ بیچتے تھے اور کہتے تھے کہ پانچ پونڈ دو گے، تو چھوٹے درجے کی جنت تمہیں عطا کریں گے اور دس پونڈ دو گے، تو ذرا بہتر جنت ملے گی۔

آج تک کسی بندے نے کسی مقرب الٰہی کے کسی مقام پر شبہ نہیں کیا۔ یہ وہ آفتاب ہے، جب طلوع ہوتا ہے، تو تمام ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ جب ان کا بحران اور قحط الرجال ہوگا۔ مقام وسیلہ تک پہنچنے والے افراد استحقاق نہ رکھیں گے، تو لوگوں کو کوئی برا نہیں کہے گا۔ ہر چیز کے پابند اس کی صفات کہیں گے۔ مگر دوسرے معترض کو اس پیر کی خامیاں ضرور نظر آئیں گی۔ اس ایک شخص کی وجہ سے بہت بڑا ایک ادارہ خراب ہوگا۔ اللہ نے بدر میں کہا، میں نے تمہیں نصرت اور فتح دی۔ تین ہزار ملائیکہ بھیجے۔ عجیب سا لگتا ہے کہ اللہ وسائل کیوں استعمال کرتا ہے۔ وہ اللہ جو خود مدد دے سکتا ہے اور فتح اور شکست اس کے قبضہ میں ہے، وہ مسلمانوں سے کہہ رہا ہے، میں تمہیں فتح تو دے سکتا تھا، مگر میں نے تمہیں تین ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ پھر آگے جا کر کہتا ہے، میں نے تمہیں پانچ ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ جنگ حنین میں مسلمان بھاگ نکلے۔ اللہ نے ملائکہ کی مدد بھیجی۔ کیا مسلمانوں کے لیے خود اللہ کافی نہیں تھا؟ جیسے بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ

ملائکہ سے کیوں مدد دی گئی؟

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب اللہ غیاب میں چلا گیا' تو اس کے حجابات ہمیں براہ راست تفہیم تک نہیں پہنچنے دیتے۔ چنانچہ ہمیں اسباب چاہیے ہوتے ہیں۔ تمام معجزات اور ملائکہ اسی قسم کے اسباب ہیں' جن میں ہم ان کو اپنے قریب محسوس کر کے نفسیاتی طور پر زیادہ خدا کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہ درمیانی اسباب ایک نفسیاتی انسان کی ضرورت ہیں۔ متوکل انسان کوئی کوئی نکلتا ہے۔ اللہ پر اعتبار کرنے والا ابراہیم نکلے گا کہ جب نار میں جھونکے گئے' تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! حکم ہو تو' میں اس آگ کو اہل کفر پر پلٹا دوں۔ فرمایا' اے جبرئیل! میرے اللہ کو میرے اس عالم کا پتہ نہیں؟ فرمایا' اللہ جانتا ہے۔ فرمایا' پھر مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ اب ذرا دیکھیے کہ جس نے وسیلے سے بے نیازی حاصل کی' اس کے لیے اللہ نے مدد بھی براہ راست بھیجی۔ اس نے جبرائیل کو نہیں کہا کہ آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دے۔ یہ انسانوں کے معیار عقل و فکر اور ان کے ایمان پر ہے۔

مگر جب قرآن اتر رہا تھا' آپ کا خیال ہے کہ خدا نے غلطی کی تھی' جب رسول اللہؐ کو کہا کہ میں نے ہر مومن کو دو سو لوگوں پر بھاری کر دیا۔ میں نے ایک ایک مومن کو دو سو حریفوں پر غالب کر دیا۔ مسلمان ڈر گئے۔ آپ جانتے ہیں' وہ کون مسلمان تھے؟ اصحاب رضوان' اصحاب بدر' اصحاب احد' جن کے ایمان کی راہگزر کی خاک بھی ہمارے لیے ماتھے کے چمکتے ہوئے چراغ ہیں۔ مگر ان لوگوں کو جب خدا نے کہا کہ میں نے ایک ایک شخص کو دو سو پر غالب کیا' تو اصحاب ڈر گئے۔ اصحاب اس لیے ڈر گئے کہ یہ بڑی مشقت کی بات تھی۔ ایک صحابی کو اس مقام کو حاصل کرنے میں دو سو کافروں کو قتل کرنا پڑتا تھا۔ اللہ نے قرآن میں کہا' ہم نے تم لوگوں کی کمزوری دیکھ لی۔ چلو دو سو نہ سہی' اب تم میں سے ایک دو پر غالب رہے گا۔

حکم وہ بھی نہیں گیا۔ قرآن کو سمجھنے والوں کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ دو سو والا بھی موجود ہے۔ مگر عمومی طور پر جو حکم متعارف کیا گیا' یہ تھا کہ ایک عام مومن تو دو کافروں پر بھاری رہے گا' مگر وہ' جن کے ایمان مضبوط ہیں اور درجہ اقدار میں اللہ کے لیے جانفشانی کا مظاہرہ کریں گے' وہ آج بھی دو سو پر غالب ہیں۔ عجیب سی بات ہے کہ کارگل میں صرف ایک چھوٹے سے سپاہی نے 185 انڈین سپاہی مارے۔ میجر کرنل شیر نے 185 کافروں کو جہنم رسید کیا۔ تو آرڈر وہ بھی چل رہا

ہے اور ایک کم تر پیٹرن کا بھی چل رہا ہے۔ مگر لوگوں کو مدد چاہیے۔ ہر آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اس درجۂ ایمان وتقویٰ پر فائز ہو۔ وسائل اس لیے تخلیق کیے گئے کہ خداوند کریم ان لوگوں کو تھوڑی تھوڑی تسلی انہی کے ذرائع سے دے۔ اعتبار اللہ ہی کا ہوتا ہے اور یقین اللہ ہی پر ہوتا ہے۔ مگر خداوند کریم نے دیکھیں کیسی بات کی ہے واذا قیل الھم تعالو یستغفر لکم رسول اللہ لو وا رئو سھم یصدون وھم مستکبرون (پ ۲۸، س المنافقون آیت ۵) جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اور رسول اللہؐ آپ کے لیے مغفرت کے لیے دعا کریں تو یہ منہ چڑھاتے ہیں اور تکبرات میں پڑ جاتے ہیں۔

ذرا آیت کو غور سے دیکھیے۔ اللہ نے تو اس میں اپنا نام نہیں لیا۔ بلکہ سپیشلائز کیا اور کہا کہ تمہارا وسیلہ مغفرت رسول اللہؐ ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اے گروہ منافقین! آؤ اور رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہو جاؤ اور رسول اللہؐ سے استغفار کی دعا کرواؤ تو ان کے منہ بگڑ جاتے ہیں۔ ان کے انداز بدل جاتے ہیں اور یہ استکبار میں پڑ جاتے ہیں۔ تکبر کتنی بڑی برائی ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ رسول اللہؐ سے مغفرت کی دعا کرانے کی بات ہے اس کو آپ کیا کہیں گے یا جسے رسول اللہؐ حاضر نہیں ملتے یا ان کے حضور جانے کا اسے موقع نہیں ملتا، وہ کیا کرے؟ وہ کسی بندۂ خدا، جس پر وہ رسول اللہؐ کی تقلید اور ان کی استعانت کا شبہ رکھتا ہو کہ یہ شخص اگر میرے لیے دعا کرے، تو یہ دعاؤں کے سلسلے وسل در وسل چلتے ہوئے اللہ کے رسولؐ تک پہنچے، سے کہہ سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی پیر فقیر، جب کمرے میں جاتا ہو، تو کہتا ہو۔ اللہ کے بندو! مجھ سے کیا دعا منگواتے ہو۔ میں تو خود خاک قدم پیغمبر ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ اس کے لیے کہ یہ مسکین میری وجہ سے سب کو دعا دے رہا ہے، تو میں استغفار کی دعا اس کے لیے کروں۔ اللہ نے یہ استحقاق بخشا ہے کہ لوگوں کے لیے دعا کروں۔

پھر ایک اور آیت دیکھیے۔ بڑی کلیئر سی آیت ہے، جس کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں کہ ہم پھر بھی کسی مغالطے میں پڑ جائیں ولو انھم اذ ظلموا انفسم وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیے بڑی خطائیں کیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ سے معافی مانگیں۔ خدا کہتا بھی ٹھیک ہے کہ وہ مجھ سے معافی مانگیں۔ مگر میرا کوئی پتہ نہیں کہ میں معاف کروں یا نہ کروں۔ میں آپ کو ایک طریقہ بتا دیتا ہوں، جس سے میں یقیناً معاف کر دوں گا ولو انھم اذ ظلموا انفسھم وہ لوگ، جنہوں

نے اپنی جانوں پر بہت ظلم کئے، بڑی خطائیں کیں، یعنی بڑے گناہ کئے۔ ان کو چاہیے کہ وہ مجھ سے پناہ مانگیں، اس سے توبہ کریں۔ مگر اے پیغمبر تھوڑی سی بات ہے واستغفر لھم رسول اللہ لوجد اللہ توابا رحیما (پ۵، س النسآء، آیت ۶۴) اگر اے پیغمبرا تو بھی ان کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگے، تو پھر ہم بخشنے والے ہیں۔ ذرا غور کیجیے۔ قرآن کی اس آیت میں قطعاً کوئی ابہام موجود نہیں۔ اپنا ذکر کیا۔ انسان کے گناہوں کا ذکر کیا ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کئے، گناہ کئے، یہ وہ ظلموا ہے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (پ۸، س الاعراف، آیت ۲۳) جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کئے اور گناہ کئے جائو کہ واستغفر اللہ اگر اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ پھر یہ بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ استغفر لھم الرسول اے پیغمبر تو بھی ان کے لیے بخشش کی دعا کرے لوجد اللہ توابا رحیما تو اللہ ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ایک بات کلیئر کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ تو مدینہ میں استراحت پذیر ہیں اور ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مدتیں ہوئیں، حضور کا چہرہ انور حجاب میں ہے اور ہم ان کے اس رخِ کریم سے کوئی آرزو صرف ان کے مزارِ گرامی پر جا کر کر سکتے ہیں۔ تو قرآن یہ کہہ رہا ہے، اگر تم اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور رسول اللہ تمہارے گناہ کے لیے معافی مانگیں، تو ہم بخشنے والے ہیں، یہ کیا بات ہوئی؟

سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا سٹیٹس رہے گا؟ اگر یہ ان اصحاب کے لیے مخصوص ہوتی، جوان کو دیکھتے تھے۔ رسول اللہؐ کے پاس چلے جاتے اور ان سے کہتے تھے، میرے لیے رسول اللہؐ دعا فرمائیے۔ میرے لیے اللہ سے یہ مانگ لیجیے، مجھے یہ لے دیجیے۔ حضور پیغمبرؐ ہی نہ تھے، ان سے محبت کرنے والے باپ بھی تھے۔ بخشنے والے انا قاسم بانٹنے والے تھے۔ سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضور بانٹ رہے تھے۔ بدو زور کر رہے تھے اور انہوں نے اتنا زور کیا کہ حضورؐ کو گھیٹتے گھیٹتے ان کی چادر اور ان کو جھاڑی میں پھینک دیا۔ حضور گھبرا کے چادر کھینچتے تھے اور اپنے آپ کو کانٹوں سے علیحدہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر ان کو پتہ ہو کہ میں ان کے حق میں کتنا فیاض ہوں، تو یہ اتنا زور نہ دیں۔ وہ وقت ہم پر نہیں تھا۔ کیا قرآن اتنے محدود وقت کے

لیے تھا؟ کیا اصحاب رسولؐ کے لیے تھا؟ کیا صرف انہی کے لیے مغفرت تھی؟ کیا آج ہمیں اس مغفرت میں سے کچھ نصیب نہیں ہوگا؟ اگر میں اللہ سے معافی مانگوں اور اپنے پیغمبر سے دعا کروں کہ یا رسول اللہؐ میں خدا سے معافی مانگ رہا ہوں۔ آپ بھی میرے لیے مغفرت کی دعا فرمایئے، تو کیا قرآن کے وعدے کے مطابق یہ دعا پوری نہ ہوگی؟

جب بیبیاں ناراض ہوئیں، تو پروردگار نے اک عجیب سا جملہ فرمایا۔ فرمایا، دیکھو بھئی میرے پیغمبر، میرے دوست گھبرانا نہیں۔ اگر یہ بیبیاں تم سے علیحدگی چاہیں، تو انہیں مال و دولت دے کر رخصت کر دو اور ذرا غور کیجیے گا ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظھرا علیہ فان اللہ ھو مولہ وجبریل اپنے بعدھو مولہ و جبریل و صالح اللمومنین والملائکہ بعد ذلک ظہیر (پ ۲۸، س التحریم، آیت ۴) ہیں، میرے فرشتے، صالح مومنین، بعد میں آنے والے، پھر ملائکہ سب تیرے ساتھ ہیں۔ کیا جملہ فالتو نہیں لگتا؟ کیا یہ بعد کا جملہ تکنیکی لحاظ سے فالتو نہیں لگتا؟ یہ جو کہہ دیا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ بعد کے جملے کچھ ایسے نہیں لگتے کہ یہ اللہ میاں نے کیا کہا؟ میں ھو مولہ و جبرئیل جبرئیل کا کیوں تذکرہ؟ جبریل اور بعد میں آنے والے ملائکہ، صالحین و مومنین کیا کوئی بڑی مدد ہیں؟ اللہ سے تو بڑی مدد نہیں ہیں۔ جب اللہ نے پیغمبر کو کہہ دیا، میں تیرے ساتھ ہوں، تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

مگر اس جملے کو ذرا اس طرح ترجمہ کر کے دیکھیں کہ پیغمبر آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اور میرے تمام وسائل آپ کے ساتھ ہیں، تو جملہ بامعنی بھی ہو جاتا ہے اور مطلب بھی خوب نکل آتا ہے۔ خداوند کریم ہمیں کبھی توفیق نہ دے کہ ہم اپنے پیغمبر کے علم و دانش اور ان کے فضائل پر اعتراض کریں۔ ایک ولی اللہ نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی کہ خدا کی قسم آج تک ساری زندگی پتہ نہ لگا کہ نفس کے فریب کتنے ہیں اور محمد رسول اللہؐ کے مقام کتنے ہیں۔

ایک بات کی تھوڑی سی وضاحت کہ بعض باتیں ایسی کیوں لگتی ہیں کہ بظاہر پیغمبر نہیں جانتے تھے یا بعض باتیں ایسی کیوں لگتی ہیں کہ پیغمبر سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔ بڑی اہم سی بات ہے۔ اصل میں پیغمبر ایک مکمل کنٹرول یونٹ ہوتا ہے۔ پیغمبر اپنے لیے نہیں ہوتا، یہ ایک مکمل گائیڈ یونٹ ہے۔ اس کا ہر عمل اس کی اپنی ریفرنس سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس کے تمام اعمال اس کی پیروی کے ریفرنس سے دیکھے جاتے ہیں۔

ہر قدم، جو وہ اٹھائے گا، اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ خلق تک اس کے کیا نتائج پہنچائے جا رہے ہیں۔ ہمارے رسولؐ کی بڑی بات یہ ہے کہ ان کو ایک ٹیکسٹ بک قرآن کی صورت میں دی گئی۔ اللہ کے اپنے پیغمبر کے لیے سخت آرڈر یہ تھے کہ وہ اپنی ٹیکسٹ بک سے باہر نہیں جا سکتا۔ آپ کی تمام زندگی ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ اور ایک ایک لمحہ کنٹرولڈ ہے۔ آپ سے جو کچھ بھی سرزد ہوگا، اس کے سبق خلق تک پہنچ جائیں گے۔ ایک دفعہ جبریلؑ نہ آئے، تو حضورؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ تم زیادہ آیا کرو۔ ہمیں تم سے ملنے کا بڑا شوق ہے۔ فرمایا رسول اللہؐ! آپ بھی پابند الٰہی ہیں، میں بھی پابند الٰہی ہوں۔ میں اللہ کی مرضی کے بغیر ہل بھی نہیں سکتا۔ جیسے آپ سے کوئی عمل سرزد ہو نہیں سکتا، اسی طرح میں بھی خدا کی مرضی سے آتا جاتا ہوں۔ میں کسی اور چیز کا مستحق یا کسی اور آرڈر یا خواہش کے تسلط میں نہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ حضورؐ نے کھجور کے معاملے میں بظاہر لگا کہ خطا کی اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ رسول کو پتہ نہیں تھا کہ کھجور کی یہ فصل کیسی ہے۔ خدا کی قسم! اتنا بڑا اصول رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو یہ بخشا کہ پیروں فقیروں کی دعاؤں سے اپنے تکنیکی پراجیکٹس کو طے نہ کیا کرو۔ رسول اللہؐ نے اس خطا میں شریک ہو کر لوگوں تک ایک پیغام پہنچایا کہ انسانی زندگی اور تجربہ کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔ اگر ایک چیز تمہارے ہاں ہزاروں سالوں سے چلی آ رہی ہے تو ایک پیر کی دعا نہ لو کہ وہ تجربہ الٹ جائے۔ ورنہ تمام علوم وفنون غلط ہو جائیں گے اور کسی وقت بھی کوئی معجزاتی کرشمے کی تلاش میں ساری دنیا پیچھے رہ جائے گی۔ جیسے آج کی پوری کی پوری قوم ہر میدان میں معجزے کا گمان کرتی ہے۔ حالانکہ حالات وہی ہیں، جو پہلے تھے۔ ابھی بھی ہم کردار و اخلاق میں ویسے ہی ہیں، جیسے پہلے تھے۔ اس طرح دیگر معاملات میں جو بظاہر آپ کو رسول اللہ کا ہلکا پھلکا سا انحراف لگتا ہے، وہ انحراف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہؐ آپ کو وہ بات غیب کی کیوں بتائیں گے، جس کے بتانے سے یہ گمان ہو کہ اللہ سے آزاد بھی کوئی رہ رہا ہے۔ رسولؐ اتنے مکمل کنٹرول میں ہیں کہ ان کے منہ سے کیا بات نکلے گی، جو اللہ کے بغیر نکلے۔

## وسیلہ کی تعریف

وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ ایسے تمام عوامل جو کسی شے یا کسی شخص کی استعداد میں اضافہ

کر کے اسے مقصد کے حصول کے قابل کریں، اسے ہم وسیلہ کہتے ہیں۔ وسیلہ کبھی خیر اور کبھی شر کا ہوتا ہے۔ وسیلے پر اچھے برے کی کوئی قید نہیں۔ یہ ضرورت نہیں کہ خیر ہی وسیلہ ہو۔ کبھی خدا کی طرف سے شر وسیلہ بن جاتا ہے اور کبھی ایسی چیزیں وسیلہ خیر بن جاتی ہیں، جن پر ہم سہوات کا گمان کرتے ہیں۔ حضرت فضائل بن ایاز ڈاکو تھے۔ لوٹ مار کرتے تھے۔ ڈاکہ مارتے ہوئے ایک خیمے کے پاس سے گزرے، تو انہیں اندر سے قرآن شریف کی تلاوت کی آواز سنائی دی۔ وہیں ہر چیز سے توبہ کی اور اپنے وقت کے بہت بڑے استاد اولیا بھی ہوئے اور ولی حق بھی۔ اگر وہ ڈاکہ نہ مارتے، تو یہ صورتحال شاید کبھی پیدا نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بہت بڑے محدث، فقیہ اور بہت بڑے اللہ کے ولی تھے۔ انہیں گانا سننے کا بڑا شوق تھا۔ روزانہ طوائف کے پاس جا کے کھڑے ہوتے۔ استطاعت زیادہ نہ تھی۔ گانا سننے کے لیے نیچے کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن ساری رات نیچے کھڑے رہے۔ دروازہ کھل نہ سکا۔ کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہوئی۔ جب اذان ہوئی، تو عبداللہ بن مبارک نے اپنے آپ سے کہا، اے بدبخت! ایک ناقص عورت کا گانا سننے کے لیے ساری رات گزار دی اور اپنے اللہ کے لیے دو لمحے نہیں کھڑا ہو سکتا۔ تب ان کے حالات تبدیل ہوئے۔ وہ بہت بڑے مراتب پر فائز ہوئے۔

وسائل ضروری نہیں کہ سارے خیر سے نکلیں۔ قرآن شریف میں خدا کہتا ہے کہ خیر و شر دونوں فتنہ ہیں۔ وسائل میں اللہ کی طرف سے بعض اوقات شر اور بعض اوقات خیر وسیلہ بن جاتا ہے۔ یہ تمام وسائل اللہ کی طرف لانے کی کوشش ہیں۔ فرض کیجیے، ایک آدمی بڑا منافق اور ظالم ہے۔ ٹی وی پر کسی مقرر کی کسی بات سے متاثر ہو گیا۔ اس نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو رقت قلب یا اس کی کیفیت میں اس کے لیے وسیلہ تقرب بن سکتی ہے۔ چنانچہ اوور آل وسیلہ کی تعریف میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے تمام عوامل جو کسی شے یا شخص کی استعداد کو مقصد کے حصول کے لیے مکمل کرتے ہیں، ہم اسے وسیلہ کہتے ہیں۔

## وسیلے کے لیے جدوجہد

قرآن حکیم میں اللہ میاں کے فرمان کے مطابق وسیلے کے لیے تھوڑی بہت جدوجہد

کرنی پڑتی ہے اور اس کے لیے نیت میں ذرا سا اخلاص ضروری ہے۔ شیطان نے جب یہ کہا کہ میں تیرے بندوں کو اوپر سے، نیچے سے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے بہکاؤں گا، تو اللہ نے کہا، ٹھیک ہے۔ میں نے تیرا اور تیرے ساتھیوں کا حصہ جہنم میں لکھ دیا ہے۔ الا عبـــاد اللـــــہ المخلصین (پ۲۳، س الصافات، آیت ۱۶۰) مگر وہ بندے جو میرے ساتھ اخلاص برتیں گے اور مخلص ہوں گے، ان کو تو کچھ نہیں کر سکے گا۔

بظاہر ہم بڑے گنہگار ہوں۔ کم تر محسوس کر رہے ہوں اور بوجھل ہوں۔ مگر اگر ہمارے دل میں خدا اور رسولؐ کے لیے ذرا سی محبت اور اخلاص موجود ہے، تو زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں ہمیں پروردگارِ عالم ہماری منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے اشتیاق میں دو چار دس جعل سازوں کے ہاتھ بھی چڑھ جائیں۔ مگر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ آپ خدا کی تلاش کر رہے تھے یا قوتوں اور معجزوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جسے خدا کو تلاش کرنا ہے، وہ دل کو تھوڑا سا دیکھ لے، پہچان لے کہ میرے دل میں اللہ کی آرزو ہے یا معجزات کی تمنا ہے۔ میں کوئی معجزاتی کام دیکھنا چاہتا ہوں یا پاور طلب کر رہا ہوں، اس کو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ اس کی طلب کیا ہے اور کیا منزل ہے۔ لیکن یہ یقینی بات ہے کہ جس کو اللہ کی آرزو ہے، اللہ اس کو منزل تک ضرور پہنچا دے گا۔ خواہ وہ کے۔ ایل۔ گابا ہو یا تبت کا لاما، اینا ماری شمل یا ڈاکٹر فاطمہ بار کر ہو، جس کے دل میں خدا کی آرزو پیدا ہوئی، وہ اپنے اللہ تک کسی نہ کسی طریقے سے ضرور پہنچ جائے گا۔

## وسیلے کی حد اور شرک

بڑا خوبصورت سوال ہے۔ ابن عباس سے کسی نے پوچھا، شرک کیا ہے؟ فرمایا، کسی سے پانی کا گلاس مانگنا بھی شرک ہے۔ اگر انسان شک وشبہ میں نہ پڑے اور باوجود اس کے کہ ہمارے دلوں میں رسولؐ کے لیے بے حد انس ومحبت ہے، ایک سوال تو آپ سب اپنے آپ سے کر سکتے ہیں کہ آپ رسولؐ کو کیا سمجھتے ہیں؟ کیا آپ انہیں خدا سمجھتے ہیں؟ جب وہ نہیں ہیں، تو نہیں ہیں، آپ کے عقیدے میں ایک وضاحت ضرور ہونی چاہیے اور یہ بالکل واضح ہونا چاہیے کہ مخلوق ہر حال میں مخلوق ہے اور خالق ہر حال میں خالق ہے۔ خالق کے لیے کوئی چیز ناگزیر نہیں ہے۔ بخدا وہ چاہتا، تو وہ بہت سارے محمد رسول اللہؐ اور بے شمار موسیٰ وعیسیٰ پیدا کر لیتا۔ اس نے نہیں چاہا۔ اس نے ایک ہی

محمدؐ کو چاہا۔ اس کی رضا ہے۔ وہ اپنے پروٹوکول کو سختی سے قائم کرتا ہے اور اس فرق کے ساتھ ہمیں بھی قائم کرتا ہے کہ

با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار

اللہ سے لڑنا ہے، تو لڑ لیا کرو، جھگڑ لیا کرو۔ وہ اس سے سنو، وہ اپنی کہو۔ کچھ اپنا گریباں چاک کچھ دامن یزداں چاک۔ مگر خیال رہے محمد رسول اللہ کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ ہمارا پروٹوکول ہے۔ اللہ پر ہمارے کسی طعنے، کسی لفظ کا اثر نہیں ہوتا۔ مگر اگر ہماری کسی ناقص بات کا چہرۂ رسولؐ پر انقباض آ جائے، تو اللہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔ قرآن حکیم میں اللہ نے کہا کہ اے لوگو! اللہ کے نبی کے سامنے آوازیں بلند نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے آواز بلند کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ اولیک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ (پ۲ س البقرہ، آیت ۲۱۷) ایسا نہ ہو، تم جہنم میں صرف اس لیے ڈال دیے جاؤ کہ تم نے رسول اللہؐ کے مقابلے میں آواز بلند کی۔

ایک صحابی جن کی آواز قدرتاً بلند تھی۔ جب انہوں نے قرآن کی یہ آیت سنی، تو وہ اپنے گھر چلے گئے۔ دروازہ بند کیا اور اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا۔ رویا کیے۔ جب دھاڑیں مارنے کی آواز باہر آئی، تو لوگ بھاگے۔ دیکھا کہ عمرو بن معدی کربؓ ہے۔ اس خوف سے مر رہا ہے کہ میری تو آواز اونچی ہے۔ میں رسول اللہؐ کے سامنے جا ہی نہیں سکتا۔ جاؤں گا، تو میری آواز اونچی ہو جائے گی۔ حضور نے سنا، تو مسکرائے اور فرمایا، یہ قرآنی آیت قدرتی اونچی آوازوں پر لاگو نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد گستاخانہ فکر اور اللہ کے رسولؐ پر خواہ مخواہ کے اعتراض چننے پر عائد ہوتی ہے۔ اس سے مراد ان کے مقامات گننے، ان کی حدود کا تعین کرنے اور ان کے مقامات علم پر اعتراض کرنے پر لاگو ہوتی ہے۔ اگر آپ اتنے بڑے عالم ہوتے اور آپ کی اتنی بڑی پہچان اور اتنی بڑی شناخت ہوتی، تو اللہ آپ ہی کو ان کی جگہ پیغمبر بنا دیتا۔ مگر جو اس نے چنا، وہ بہترین چنا۔ اسی لیے حسان بن ثابت نے کہا، اے اللہ کے رسول! مجھے تو ایک ہی بات سمجھ آئی کہ جیسے آپ نے سوچا کہ آپ کو بنایا جائے، ویسے ہی اللہ نے آپ کو بنا دیا۔

یہاں شرک اس لیے نہیں ہو سکتا کہ طاقتیں Inherent ہیں اور رسول اللہؐ کی عطائی ہیں۔ یہ تھوڑا سا فرق سمجھ لیں، تو آپ سے قیامت تک شرک نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی تمام قوتیں اس کی

ذاتی ہیں۔محمد رسول اللہ کی تمام قوت و بلاغت عطائی ہے۔اگر کوئی سوال یہ ہو کہ رسول اللہ کو ساری چیزیں کہاں سے ملیں،تو آپ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اللہ نے عطا کیں۔اگر کوئی پوچھے کہ اللہ کی طاقتیں کہاں سے آئیں،کس نے اسے دیں؟ آپ جانتے ہیں کہ کسی نے اسے نہیں دیں۔خالق اور مخلوق کا فرق یہی سارا بڑا فرق ہے۔جو فرد اس فرق سے آشنا ہے،وہ کبھی بھی غلطی نہیں کر سکتا۔مقام محمدؐ مقام محبت ہے اور مقام محبت اللہ کی بہترین پسند کا مقام ہے۔

حدیث مبارک کے مطابق فرمایا،اے جبریل! یہ منادی کر دے کہ زمین وآسمان میں فلاں شخص میرا دوست ہے،جو میرے دوست کے خلاف لڑے گا،میں اس کے خلاف خود لڑوں گا۔وہ ایک عام دوست کی توہین برداشت نہیں کر سکتا،چہ جائیکہ محمد رسول اللہ کی برداشت کرے،جو غرض وغایت کائنات ہیں۔وسیلہ تخلیق ہیں۔وسیلہ تعلیم،وسیلہ ایمان اور وسیلہ محبت ہیں۔آپ میں سے کتنے لوگ ہیں،جو خدا کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں جیسے محمدؐ کر سکتے ہیں؟ ہر بلا سے بڑی محمدؐ کی بلا تھی۔ہر آزمائش سے بڑی آقائے رسولؐ کی آزمائش تھی۔سب سے بڑھ کر یہ بات کہ جو جزوی طور پر قرآن پیغمبروں کو دیا گیا،وہ پورے کا پورا محمد رسول اللہ کو دے دیا گیا۔ایک ایک لفظ کی صداقت اس نے اپنے اعمال سے ظاہر کی۔ایک ایک عمل کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات ولمحات اللہ کی راہ میں تج دیئے۔

یہ تو وہ شخص ہیں کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا،یا رسول اللہؐ جب اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے،تو پھر آپ کیوں مشقت اٹھاتے ہیں؟ فرمایا،عائشہ کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ یہ تو بندگی کا کمال ہے۔حسن سلوک کی معراج ہے۔یہ وہ رومانس ہے،جو زمین وآسمان پر مشہور ہے۔یہ بڑا رومینٹک تعلق ہے۔مجھے تو خدا پر حیرت ہے،آپ رسول اللہ کی بات کرتے ہیں۔رسول اللہ کے وجود کرم سے اتنا تو ثابت ہوا کہ اللہ کے دل میں بھی کوئی محبت کا گوشہ ہے۔ورنہ اس طاقت کے معیار پر محبت کا نام ونشان بھی جرم ہوتا ہے۔شکر ہے کہ رسول اللہؐ کے وجود مبارک سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ اللہ بھی کسی بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے۔

## اولیاءاللہ وسیلہ کس طرح

میں نے بہت ساری احادیث وقت کی کمی کی وجہ سے نقل نہیں کیں۔ حضورؐ ہم میں موجود نہ ہوں گے، جب قیامت آ رہی ہوگی۔ اس وقت شاید ہم بھی موجود نہ ہوں۔ قیامت جو آ رہی ہوگی اور قیامت نہیں آئے گی۔ حضور یزداں یہ پوچھا جائے گا کہ جی آپ قیامت لا کیوں نہیں رہے؟ چھا رب لوگ تو کافر ہیں۔ بدتمیزی پر اتر آئے ہیں۔ تجھے مانتے نہیں ہیں۔ تجھ سے سرکشی کر رہے ہیں۔ یہ منکر قوم تباہ کیوں نہیں ہو رہی یا خدا؟ یہ تو اتنی بڑی Wastage کیوں کر رہا ہے؟ تجھے نہیں، لیکن ہمیں غصہ آ رہا ہے کہ اتنی ساری دنیا میں اتنے سارے لوگوں میں سے تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہے، تو قیامت کیوں نہیں لا رہا؟ اللہ کہے گا، اپنے رسول سے پوچھ لو کہ کیوں نہیں قیامت لا رہا؟ تو ہم رسول اللہؐ سے پوچھیں گے، یا رسول اللہؐ قیامت کیوں نہیں آ رہی؟ فرمایا، جب تک زمین پر ایک بھی شخص اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے، قیامت نہیں آئے گی۔ اس وقت تو حضور نہ ہوں گے۔ بڑے بڑے اولیاء بھی گزر گئے ہوں گے۔ مگر جب تک اخلاص قلب سے ایک شخص بھی اللہ کو یاد کرنے والا زمین پر ہوگا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت، بنجر، ویران، مردہ تن اور بدسرشت لوگوں پر آئے گی، جو اللہ سے مکمل آگاہ نہ ہوں گے۔ صرف جبلی شعور سے آشنا ہوں گے۔ جو جانوروں اور پرندوں کی طرح زمین پر زندگی بسر کریں گے۔ مگر ان میں اگر ایک اللہ اللہ کرنے والا بھی نکل آیا، تو قیامت قائم نہیں ہوگی۔

حدیث رسولؐ ہے کہ اتنا خدا کو یاد کر کہ تیرا دل ایک ویرانے کی طرح ہو جائے اور اس ویرانے میں ایک چراغ اللہ کی یاد کا جلتا ہوا ہو۔ اور اتنا اللہ کو یاد کر کہ لوگ تجھے پاگل سمجھنا شروع کر دیں۔ جب اتنا اللہ کو یاد کرنے والا شخص آگے بڑھے گا، تو سوال یہ ہے کہ اس کا زمین و آسمان میں کچھ مقام بھی تو ہوگا؟ وہ کس حیثیت کا شخص ہوگا، جو اس قدر بے چینی، اضطراب، قلبی خشوع اور خضوع سے اللہ کو یاد کر رہا ہوگا۔ آخر اس کا بھی کوئی لحاظ تو اللہ کے نزدیک ہوگا؟ اللہ کہتا ہے کہ اے پیغمبر! کہہ دے کہ میں اس شخص کی دعا کے عوض بارش برساؤں گا۔ میں زمین پر اس کی وجہ سے زرخیزی لاؤں گا۔ اسی کی وجہ سے میں زندگیاں بڑھاؤں گا۔ اسی کی مخالفت میں میں لوگوں کو تباہ و برباد کروں گا۔ یہ شخص ہے، جو محور زمین ہے۔ خلیفۃ الارض ہے۔ جس کی سرشت پاک کے عوض خدا

ترتیب نظام اوقات رکھتا ہے۔ جب یہ ختم ہوگا، تو قیامت آ جائے گی۔

اس لیے ہمارا اور کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شاید دنیا اور جہان میں خدا کے دوستوں کی کمی ہے۔ ورنہ ابھی پچاس سال پہلے بہت سارے نہیں، تو دس بیس تو اللہ کے ایسے بندے موجود تھے جن پر لوگ اچھا گمان کرتے تھے۔ وہ اس گمان کے اہل تھے۔ وہ خدا کے بندوں کو سکون اور طمانیت کی دولت عطا کرتے تھے۔ آج کے اتنے مضطربانہ عہد میں اور خوف، بے چینی اور اضطراب کے اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپ کو ایک شمہ برابر بھی سکون بخش جائے تو وہ اللہ کے ولی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

## محمدؐ، احمدؐ اور مقام محمود

مقام محمود، مقام وسیلہ، مقام شہادہ علیحدہ علیحدہ Convocations ہیں۔ وسیلہ، انسٹرومنٹ اور ایک انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اس کا ایک رخ شہادہ اور ایک رزق کا ہے، جیسے تمام کائنات میں وسائل کے ذریعے رزق بنا جا رہا ہے۔ مقام محمود ان دونوں میں ذرا سا اس لیے جدا ہے کہ یہ خدا کی تعریف کا مقام ہے۔ محمود کا مطلب ہے، جس کی تعریف کی گئی۔ زمین کے لوگ رسول اللہؐ کو محمد اور احمد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی زمین پر وہ تعریف کیا گیا ہے، جبکہ آسمان پر وہ تعریف کر رہا ہے اور کرنے والا ہے۔ خدا ان کے دونوں کے عوض جو مقام رسول اللہؐ کو لوٹائیں گے، وہ مقام محمود ہے یعنی سب سے احسن، اعلیٰ تر تعریف کا حقدار اور سب سے زیادہ خدا کی محبت کا جاننے والا، انس رکھنے والا، اللہ کی تعریف میں یکتا اور اللہ کی تعریف میں دوسروں سے قطعاً مختلف۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام اہل قدیم کے صحائف اور تمام کتب ہائے زبور و انجیل پڑھ لیجیے، ان کے مقابلے میں جس لہجے میں رسول اللہؐ نے خدا کی تعریف کی ہے، پہلے کبھی نہیں کی گئی نہ بعد میں کبھی کی جائے گی۔ یہودیوں کی کتابوں میں یہوواہ کو گاڈ آف اسرائیل کہتے ہیں۔ ''ہسٹری آف ریلجن'' کے مصنف کو اٹھا کے دیکھ لیجیے، مذہب کے جہاں تک نقوش دکھائی دیتے ہیں، تمام خاندانوں، قبیلوں اور قوموں نے اللہ کو ایک انفرادی اور مقامی تصور کیا۔ سوائے اسلام اور اللہ کے رسول محمد رسول اللہؐ کے، جنہوں نے خدا کا تصور بین الکائناتی، مکمل اور ایک حتمی ہستی کے طور پر پیش کیا، جو جزوی آثار میں قید نہیں ہے۔ میرے خیال میں اللہ کے صحیح مقام کی وضاحت یا ان کی توجیح

صرف رسول اللہؐ نے کی ہے۔ اس لحاظ سے صرف اسلام ہی بین الاقوامی مذہب ہے۔

## شفاعت سے محروم کون

حضورؐ کا شفاعت کے لیے تین مرتبہ اٹھنا تو راز و نیاز میں شامل ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں آتا ہے، اللہ کو پتہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ نے تین مرتبہ اٹھنا ہے اور میں نے تینوں مرتبہ بخشنا ہے تو بھلا پہلے ہی کیوں نہ سب کو بخش دیا۔ جتنے سوال اللہ کے رسولؐ پر آئے، ویسے ہی قریباً اللہ پر آتے ہیں۔ مگر چونکہ سارے سسٹم اللہ ہی کے تخلیق کردہ ہیں، میں پوچھوں کہ یہ سسٹم اس طرح کیوں ہے؟ وہ سسٹم ایسا کیوں ہے؟ خدا ان سے آزاد بھی تو سارے کام کر سکتا تھا؟ جیسے جنگ بدر میں اللہ نے کہا، میں تمہاری خود بھی مدد کر سکتا تھا۔ مجھے ملائیکہ وغیرہ کے بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر میں نے تمہارا دل رکھنے کی خاطر ان کے خلاف ملائیکہ کی مدد بھیج دی، جنہوں نے تمہارے ساتھ جنگ کی تھی۔ یہاں بھی بالکل اسی قسم کے اصولوں کا اعادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ پہلی مرتبہ رسول اللہؐ اٹھیں گے تو اللہ کہے گا، اے نبی! میرے دوست جاؤ، جو کچھ آپ نے چھڑانا ہے، چھڑا لاؤ۔ آپ چھڑا کے لے آئیں گے۔ پھر عرض کریں گے، یا رسول اللہؐ ابھی کچھ لوگ امت کے باقی ہیں۔ آپؐ پھر اٹھیں گے۔ پھر تعریف خداوند کریں گے۔ اس میں آپ کو راز کی بات بتاؤں۔ اللہ میاں، ہو سکتا ہے، کچھ لوگ رسول اللہؐ کو شفاعت کرتے وقت بھلا دیتے ہوں۔ اس بھلانے کی مصلحت بتاتا ہوں۔ پروردگار کی تعریف و توصیف کے بعد فرمایا گیا، تو نے مجھ سے مقام شفاعت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اور کہا تھا کہ میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ فرمایا، ہاں میں نے وعدہ کیا تھا، شفاعت فرمائیں گے۔ تو فرمایا میرے کچھ لوگ ابھی باقی ہیں۔ حکم ہوگا کہ جہنم میں یہ یہ جو لوگ ہیں، نکال لاؤ۔ پھر جب تیسری مرتبہ رسول اللہؐ کو پتہ چلے گا کہ ابھی بھی کچھ لوگ باقی ہیں، تو پھر کہا جائے گا، یا رسول اللہ! ابھی کچھ اور لوگ باقی ہیں۔ حضورؐ کو پھر یاد آئے گا۔ آپؐ خداوند کے حضور دست بستہ عرض فرمائیں گے، یا پروردگار عالم! مقام شفاعت کے بارے میں آپ کا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ فرمایا ان اللہ لا یخلف المیعاد (پ۳، س آل عمران، آیت ۹) ہم وعدہ بالکل پورا کریں گے۔ آپ بتائیں، کیا کہتے ہیں۔ پروردگار ابھی کچھ لوگ باقی ہیں۔ اچھا جاؤ، ان کو بھی نکال لاؤ۔

تو تین دفعہ حضورؐ شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے۔ تین دفعہ مختلف گروہ جہنم سے آزاد کیے جائیں گے۔ لیکن کبھی آپ نے یہ سوچا کہ ایک ہی دفعہ کیوں نہیں؟ بات یہ ہے کہ کچھ لوگ دس ہزار سال کی سزا کے مستحق ہوں گے۔ کچھ بیس ہزار سال اور کچھ تیس ہزار سال کے۔ پہلی مرتبہ ان کو بلائے گا، جن کی سزا دس ہزار سال تھی۔ تیسری مرتبہ ان کو بلائے گا، جن کی سزا تیس ہزار سال تھی۔ شفاعت تو مقرر ہے۔ اس میں ایک تو حکمت الٰہی پوری ہو جائے گی۔ دوسرا اللہ کے رسول کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔

چوتھی مرتبہ رسول اللہؐ پھر کھڑے ہوں گے کہ ابھی بھی کچھ لوگ باقی ہیں۔ اللہ فرمائے گا، اے میرے رسولؐ! میں نے تجھ سے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کر دیا ہے۔ اب تیری امت کے جو لوگ تجھے جہنم میں نظر آتے ہیں، ان میں اور تیری شفاعت میں کتاب حائل ہے۔ وہ لوگ، جو بظاہر مسلمان نظر آتے ہیں اور مسلمان کہتے تھے، مگر مسلمان نہ تھے۔ یہ وہ منافق مسلمان ہیں، جو خدا کے تمام احکام سے زیادہ سیکولر قدروں کو حیثیت دیتے تھے۔ اس لیے اب وہی لوگ رہ گئے ہیں، جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔ یہ قرآن کافروں، مشرکوں اور منافق مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ ان میں اب تیرا کوئی بندہ نہیں۔ یہ تجھے مسلمان کہتے ہیں، لیکن یہ یا منافق ہیں یا مشرک یا کافر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کو شفاعت فائدہ نہیں دیتی۔